Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 3, Issue 4
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com

ڈاکٹر محمد جمیل احمد باروی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو پنجاب کالج، اسلام آباد
ڈاکٹر فہمیدہ تبسم
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اردو فیڈرل اردو یونیورسٹی، اسلام آباد

مسلم تاریخی ثقافت کی روایت اور اردو تاریخی ڈراما

Dr.Jamil Ahmed Barvi
Assistant Professor, Department Of Urdu Punjab College, Islamabad
Dr.Fehmida Tabbasum
Head of Urdu Department, Federal Urdu University, Islamabad

Tradition Of The Muslim History , The Culture And Historical Urdu Drama

It's written on the historical topic in all the literatures of the world.The fictitious expression of the history in different genres is very beneficial for the readers to fulfill a great performing duty.Pakistan television has telecasted drama on different angles and historical figures in the recent 50 years.It is the duty of every broadcasting department to reform its nation and country through broadcasting the stories of the brave sons.So by remembering the brilliant past ,people can change future for better and by learning from the past mistakes.They will promise not to repeat the mistakes in future.In the subcontinent except the Muslims no other Nation felt any shame to take part in the art of drama.
Keywords: fictitious expression, broadcasting, historical topic, brilliant, telecasted

تاریخ وقت کے تعین اور وقت سے آگاہی کا نام ہے۔اصطلاح میں قدیم حالات وواقعات اور حادثات، امور سلطنت، تہذیب و تمدن، قوموں کے عروج وزوال کی مدت متعین کرنا تاریخ کہلاتا ہے۔

تاریخ کا سفر انسان کی پیدائش سے شروع ہے جب اس نے اپنے حالات وواقعات کو دوسروں کے سامنے بیان کرنا شروع کیا۔ پھر ان واقعات کو محفوظ کیا درحقیقت پس پردہ مقصد یہ تھا کہ مستقبل کی نسلیں میں ماضی کی اقوام سے فائدہ اٹھائیں۔ابتدا میں انسان اپنے قرب وجوار میں اپنے سے جڑے رشتوں اور حالات وواقعات کا شعور رکھتا تھا مگر تداول زمانہ کے ساتھ اپنے سے دوران تمام امور سے جڑنے لگا جس کے ذریعے اسے زمانہ گزشتہ کی معاشرت، تمدن اور اخلاق وغیرہ سے واقفیت حاصل ہوئی۔تاریخ انسان کو ماضی میں ہونے والے نقصان سے بچنے اور گزشتہ اقوام عالم کی ہولناک اور خوفناک غلطیوں سے عبرت حاصل کرنے کے لیے لکھی جاتی ہے۔وقت کے ساتھ ساتھ تاریخ کے مقاصد بڑھتے گئے۔انسان کی ترقی، فتح وشکست کا مطالعہ تاریخ ہے۔ مولوی نورالحسن نیر نے ’’کسی چیز کے ظہور کا وقت یا کسی امر عظیم کے وقت کا تعین کرنے کو تاریخ لکھا ہے‘‘۔ (1)

ہمارا قرآن بھی سابقہ امم کے قصص اور احوال سے بھرا پڑا ہے جو یقیناً غور وفکر کا متقاضی ہے۔ان قوموں میں سے اکثر نے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے ساتھ سرکشی کی۔تاریخ کا مضمون ہمیں قرآن حکیم میں متنوع اور منفرد انداز میں ملتا ہے اور قرآن کی گزشتہ اقوام ہی تباہی اور بربادی کو بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت قرار دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

’’سو ہم نے اس واقعہ کو ان کے ہم عصروں کے لیے اور جو بعد میں آنے والے تھے ان کے لئے
باعث عبرت بنادیا ہے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے نصیحت بنادیا ہے‘‘۔البقرہ22

یہی تاریخ ہے، جو واقعات دنیا میں رونما ہو چکے ہیں، ان کا زمانی و مکانی مطالعہ تاریخ ہے۔ آدم و حوا کے احوال، طوفان نوح، عاد و ثمود کی تباہی، غرقاب ہونے والا فرعون، مصنوعی جنت کا داعی شداد، سکندر اعظم کی فتوحات، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت و معجزات، واقعہ کربلا، صلیبی جنگیں، قتال اعظم چنگیز خان کی سفاکیاں، سلطنت عثمانیہ کا عروج و زوال، دو عظیم عالمی جنگیں، ایٹم بم کی ہولناکیاں اور دنیا کے نقشے پر پاکستان کا ظہور اور وجود یہ سب تاریخ ہے۔ ثقافت کسی معاشرے میں موجود ان رسم و رواج کو کہا جاتا ہے جس پر اس معاشرے کے تمام افراد مشترکہ طور پر عمل کرتے ہیں۔ ثقافت کسی معاشرے کا کلچر، نظام اخلاق، اس کا دینی نظریہ، زبان، رہن سہن، رسم و رواج اور فن تعمیر میں نظر آتا ہے۔ کسی قوم کی ثقافت کا باطنی پہلو اس قوم کے افراد کے اخلاق، سوچ سمجھ، اچھائی اور برائی کا معیار ہے۔ اگر کسی قوم پر غلبہ حاصل کرنا ہو تو اس قوم کی اخلاقیات، سوچ، فکر، تہذیب اور ثقافت پر قبضہ کرنا ہوتا ہے۔ قوم خود بخود مغلوب ہو جاتی ہے۔ دین اور عقائد کسی معاشرے کے باطنی پہلو ہیں لیکن ثقافت اور تہذیب کا دین اور عقائد سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً اہل مغرب لباس کے معاملے میں آزاد خیال ہیں اس کے برعکس مسلم معاشرے کے افراد کا لباس اپنے دینی اقدار کا حامل ہے لیکن افسوس جدیدیت کے نام پر ہم نے اہل مغرب سے اپنی تہذیب و ثقافت کا سودا کر لیا ہے۔ اپنی زبان، اپنا لباس، اپنی رسومات کا سودا کیا ہے۔ یہ ثقافتی یلغار ہے اور ثقافتی یلغار دراصل کسی قوم کی تباہی و بربادی ہوتی ہے۔ قوم کے افراد کو باطنی طور پر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ قدرت اللہ فاطمی نے ثقافت کی توضیح قرآن و سنت کی روشنی میں اس طرح کی ہے:

> ''اسلامی تعلیمات کی رو سے ثقافت کی بنیاد جغرافیہ نہیں بلکہ نظریہ حیات ہے۔ نظریہ حیات کا زمین کی جغرافیائی حقیقت سے گہرا رشتہ ہے۔ قرآن حکیم کی رو سے پاکیزہ نظریہ حیات وہی ہے جس کی جڑیں زمین میں پیوست ہیں کیونکہ اس دنیا میں انسانی زندگی کی ابتدا ارتقا اور انتہا زمین ہی سے وابستہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ '' ہم نے تمہیں اس دھرتی کی مٹی سے پیدا کیا ہے، اسی میں تم لوٹائے جاؤ گے اور اس مٹی سے تمہیں ایک بار پھر اٹھائیں گے ''۔(2)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمانوں نے تمام علوم و فنون میں عظیم تاریخی و علمی کارنامے سرانجام دیے۔ ہمارے اسلاف و اجداد نے علم و معرفت کے چراغ روشن کیے رکھے۔ غور غوض اور فکر و تدبر کا دامن پکڑے رکھا۔ اللہ کے احکامات اور ضوابط کو اپنا نصب العین بنائے رکھا اور تمام شعبہ ہائے زندگی پر غالب رہے۔ انجینئرنگ، فن تعمیر، علم ہیئت، فلکیات فلسفہ و تاریخ، علم النباتات، میڈیکل سائنس، کیمسٹری کی بنیاد، فزکس میں روشنی کے اصول ہوں یا منطق اور شاعری کے عروض، ان تمام علوم کی بنیادیں مسلمان مفکرین اور سائنسدانوں نے فراہم کیں۔

افسانوی ادب میں صرف ڈراما ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں مسلمانوں نے آغاز میں دلچسپی نہیں لی۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کے عقائد و علوم اور ان کی ثقافت و تہذیب میں ناچ گانے اور مسخرے پن کی ممانعت تھی۔ وہ مجسمہ سازی اور فن مصوری کو اپنانے کو تیار نہ تھے۔ موسیقی اور موسیقی میں استعمال ہونے والے تمام آلات سے احتراز کیا۔ دنیا کی مختلف اقوام خوشی و انبساط کے موقع پر مختلف رسوم رواج اپناتی ہیں جن میں خوشی سے چیخنا چلانا، نقل کرنا، ناچ گانے، رقص و سرود شامل ہوتا ہے لیکن مسلمان ایسے رسوم و رواج سے بہت دور تھے۔ دنیا کے کسی ملک میں ان فنون پر توجہ نہیں دی گئی اور مسلمان مذہبی رسوم و رواج کی پابندی کی وجہ سے ڈرامے کو معیوب سمجھتے تھے۔ مغل حکمران اس خطے میں تین سو سال تک حکمران رہے۔ اس دور میں بھی اس فن پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ حکمرانوں نے اپنے سامان تعیش جس میں رقص و سرود اور مے نوشی شامل تھی، کو اپنی طبیعت کا خاصہ بنائے رکھا لیکن اسٹیج کے فن کو گناہ کبیرہ سمجھ کر دبائے رکھا۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنی تحریر '' ڈراما گناہ نہیں ہے '' میں لکھتے ہیں:

> ''ڈراما ہمارے ادب کی یقیناً بے حد قابل رحم اور غریب صنف ہے۔ اس پر ستم یہ کہ بعض عناصر ڈرامے کو مذہبی اصولوں کی خلاف ورزی قرار دے دیتے ہیں حالانکہ اس صورت میں تو شاعری، افسانہ نگاری، ناول نویسی، مصوری اور موسیقی وغیرہ ہر فن کو گردن زدنی قرار دینا چاہیے۔ فن پارہ چاہے کسی بھی صنف سے تعلق رکھتا ہو، اس کا مجموعی تاثر عموماً یکساں ہوتا ہے۔ یعنی دل کا گداز، روح کا استہزاز، حق اور توازن اور خیر کی قوتوں سے پیار اور میں ایک عام مسلمان ہونے کے باوجود کہہ سکتا ہوں یہ گداز، استہزاز، اور یہ حسن و خیر سے پیار مذہب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ یہ تو آخری اور بڑی عظیم سچائی تک پہنچنے کے ذرائع ہیں'' (3)

برصغیر میں نے مسلمانوں کے علاوہ تمام اقوام نے فن ڈراما میں حصہ لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کی۔ وقتی ضرورت کے تحت مسلمانوں نے پارسی، ہندوؤں اور انگریزوں کی دیکھا دیکھی میلوں ٹھیلوں میں اسے بطور کاروبار اپنایا اور تفریح طبع کی خاطر اس فن میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ درحقیقت اس فن کو مسلمانوں نے کبھی اپنی ثقافت کا حصہ نہیں مانا۔ ان کے نزدیک یہ محض

عیاشی اور لہو ولعب تھا۔ ڈراما کا فن ان کے دین کے کلچر کے خلاف تھا بہت بڑا طبقہ اسے دل سے قبول کرنا تو دور کی بات، اسے دیکھنے اور سمجھنے کو تیار نہ تھا۔ پی ٹی وی کے معروف ڈراما نگار شعیب خالق لکھتے ہیں:

"برصغیر کے مسلمان تہی دامن کا شکار رہے جبکہ یہاں دیگر مذاہب بالخصوص ہندو مذہب نے پرفارمنگ آرٹ کو ماتھے پر سجائے رکھا اور اسے اپنے دھرم کا حصہ بنائے رکھا جب کہ مذہب اسلام میں اصنام تراشی، شبیہ سازی، تصویر کشی، نقالی، ناچ گانا اور مسخرے پنکی ممانعت تھی۔ جس کے باعث پرفارمنگ آرٹ مسلمانوں کی قربت سے محروم تھا۔ اکبر اعظم کا دور مسلمانوں کے لئے پرفارمنگ آرٹ اور خاص طور پر ڈرامے کے فن کے زندہ ہونے کا انتہائی سازگار ماحول لیے ہوئے تھا لیکن اکبر اعظم کی وسیع المشربی کے باوجود دربار پر چھائے ہوئے ایرانی اثرات کے سبب کوئی ڈرامے کے فن کی طرف متوجہ نہ ہوا" (4)

مسلمان اپنا ہر کام مذہبی عقائد کی بنیاد پر کرنے پر یقین رکھتے ہیں۔ زندگی کے تمام شعبہ ہائے حیات میں وہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنے مذہب اور عقیدے کے ساتھ مضبوطی سے جڑے ہیں۔ اپنے ہر کام، ہر شے کو مذہب سے استوار سمجھتے ہیں۔ جس سے ہٹ کر ہر اس کام کو معیوب اور گناہ سمجھتے ہیں۔ لباس کا انتخاب، چہرے کی وضع قطع، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، چلنے پھرنے، مرنے جینے تک کے ہر آداب میں مذہب کو تلاش کرتے ہیں۔ ڈرامے میں مرد وخواتین کے فرضی تعلق کو برداشت کرنا ان کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ مسلمان باقی تمام علوم وفنون کے حصول میں پیش پیش رہے مگر ڈرامے کے معاملے میں ان کی شدت اور راسخی برقرار رہی۔ ابتداسے ہی ڈرامے سے بے اعتنائی کے بارے میں ڈاکٹر انور سجاد لکھتے ہیں:

"یہ بھی حقیقت ہے اور دلچسپ حقیقت ہے کہ عربی مسلمانوں نے یونان کے ہر نوع کے علم، فلسفے سے لے کر ہیئت اور طب تک استفادہ کیا، ان کے تراجم کیے، اپنی ثقافت اور مذہب کے سیاق وسباق میں اسے سمجھنے کی کوشش کی، ان کے گہرے نقوش حاصل کیے بعض کے مطابق باتوں کو جذب بھی کیا (یورپ کو اس کے تاریک دور سے نکالنے کا باعث بھی بنے) لیکن انہوں نے توجہ نہیں کی تو یونانی ڈرامے کی طرف۔۔۔۔۔۔۔۔۔کیوں؟ شاید اس لیے کہ جانداروں کی تصویر کشی بھی ممنوع ہے اور ڈرامے کا سوانگ بھی کچھ اسی نوعیت کا ہے"۔ (5)

برصغیر پاک وہند میں ڈرامے مذہبی اور ثقافتی رسومات کے زیر اثر پروان چڑھے۔ ناٹیہ شاستر کا مقصد دیوتاؤں کو خوش کرنا تھا۔ مذہبی تہواروں اور رسومات کے موقع پر راگ اور سازوں کو استعمال کیا جاتا تھا۔ بسلسلہ روزگار ڈراما میلوں ٹھیلوں میں چلتا رہا، ایسٹ انڈین انگریز اپنی تفریح کے لیے جرگوں میں ڈرامے کرتے۔ فورٹ ولیم کالج بنا، مختلف زبانوں کا ادب ہندوستان کی مقامی زبان میں ڈھلنے لگا۔ انگریزی ڈراموں کے ترجمے ہوئے۔ واجد علی شاہ نے اپنے محل میں افسانہ "عشق" دکھادیا امانت لکھنوی نے مسلمانوں کے زوال کے دوران" اندر سبھا" سٹیج کر کے جرات کر ڈالی۔ اندر سبھا کی مقبولیت کے بعد بمبئی سے اردو ڈراموں کا آغاز ہوا۔

یہاں تک کے سفر میں مسلمان ڈرامانویس اور فنکار اسلامی ثقافت کو ڈراما کے معاملے میں تقریباً خیر باد کہہ چکے تھے۔ عربی اور فارسی کے وہ قدردان جن کے نزدیک ڈراما ایک معیوب اور گھٹیا صنف شمار ہوتا تھا کہیں کھو گئے۔ وقت کی رفتار کو پہیے لگ گئے۔ برصغیر میں انگریز راج شروع ہوا، سوچ بدلی، ادب نے اپنا پرانا چولا بدلا۔ اردو نثر کی بے جا لفاظی، کہنگی اور فرسودگی ختم ہوئی۔ وسعت اور کشادگی نے جگہ لی۔ مافوق الفطرت داستانوں اور الف لیلوی کہانیوں کی جگہ مضمون، انشائیہ، خاکہ، مقالہ نگاری، تاریخ نویسی، سیرت نگاری پر توجہ دی جانے لگی۔ غزل اور نظم میں دلوں کے مچلتے جذبات، نغمگی، موسیقی، حسن وحرارت، رموز واسرار، ہیئت، مواد اور متنوع موضوعات کے جلوہ افروز ہوئی۔ ہجو گوئی، فحش قصوں، ذومعنویت، پھکڑپن اور عامیانہ مذاق زبانوں اور کتابوں سے غائب ہونے لگے۔ اس کی جگہ شگفتہ اور دلفریب مزاح کی لہریں موجزن ہوئیں۔ اسی طرح ڈراما، رہس، لیلا نوٹنکی، بہروپ اور بھانڈوں کی نقل سے آزاد ہوا۔

تحریک پاکستان کی کوششیں قیام پاکستان کی صورت میں سامنے ہیں۔ ادب کے سائے پوری آب وتاب سے نکھرنے لگے۔ قیام پاکستان تک ڈراما تکنیکی اور ہیئتی اعتبار سے ترقی کرتا گیا۔ احسن لکھنوی، طالب بنارسی آغا حشر، امتیاز علی تاج، سعادت حسن منٹو، عشرت رحمانی، رفیع پیر، عبدالحلیم شرر، رحمن مذنب، عابد علی عابد، شوکت تھانوی پاکستان میں ڈرامے کا ہراول دستہ بنے۔ یہ ڈراما نگار تھیٹر، فلم، ریڈیو، کتاب اور ٹیلی وژن سے منسلک رہے اور المیہ اور طربیہ ڈراموں میں تمام موضوعات پر طبع آزمائی کی۔ موضوعاتی ڈراموں میں جہاں اصلاحی، سیاسی موضوعات پر کھیل لکھے گئے، وہاں ڈراما نگاروں نے تاریخی موضوعات کو اہمیت دی۔ کتابی اور طبع زاد تاریخی ڈراموں کو ٹیلی وژن کے ابتدائی زمانے سے بھی محسوس کر لیا گیا۔ ان تاریخی ڈراموں کی اہمیت اور حیثیت کو سمجھنا وقت کی ضرورت تھی۔ پاکستان ایک نوزائدہ ملک تھا جس کی بنیاد ہی اسلامی عقائد اور مذہب پر تھی۔ اس لئے اس کا سب سے بڑا ورثہ اسلامی ثقافت ہے۔ اس ورثے کی حفاظت سب سے مقدم مقصد تھا۔ اس کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی گئی کہ ثقافتیں ایک دوسرے کو متاثر کرتی رہتی ہیں اور ایک دوسرے کو متاثر کرنے میں وقت لیتی ہیں۔ جس ثقافت کی روح علمی

فکری اور تہذیبی افکار عمل سے لبریز ہوگی، وہ خطے اور علاقے کی دوسری ثقافتوں پر اثر انگیز ہوگی۔ مسلم ثقافت جو عرب سے چلی اس نے اپنی مضبوط اخلاقی قدروں میں ادب، آرٹ اور فن تعمیر، روایات، رسوم اور زبان وغیرہ کی بدولت برصغیر میں مسلمانوں کو سیاسی استحکام اور اقتدار حاصل ہوا لیکن انگریزوں کی آمد اور قبضہ نے ہمارے ثقافتی ورثے کو شدید نقصان پہنچایا۔

بقول عبدالسلام خورشید:

''جتنی دیر مسلمانوں کا سیاسی اقتدار مستحکم رہا وہ اپنے ثقافتی ظواہر سے مطمئن رہے۔ جب سیاسی اقتدار کی بنیادیں متزلزل ہونے لگیں تو یہ محسوس کیا گیا کہ اصل چیز اسلامی ثقافت کی روح ہے۔ اگر اس کا احیا نہ کیا گیا تو مسلمان ہندو اکثریت میں گم ہو کر اپنی ملی شناخت کھو بیٹھیں گے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ نے اسلامی ثقافت کو اسلامی ثقافت کے احیا کی خاطر قرآن حکیم کو ملاؤں کے حجروں سے نکالا اور انہوں نے اور ان کے خاندان کے افراد نے قرآنی مطالب کو عوام کی زبان میں منتقل کیا۔'' (6)

ثقافت اور تاریخ کو محفوظ رکھنے کا بہترین ذریعہ ڈراما تھا۔ جس میں دلچسپی کے سامان تھے اور اس طرح اسٹیج اور کتاب کے ساتھ ساتھ نشریاتی ابلاغ (ریڈیو اور ٹی وی) پر تاریخی ڈرامے کا رواج پیدا ہوا۔

تاریخی واقعات اور کہانیوں کو پہلے کتابی صورت میں محفوظ کیا گیا۔ ماضی کے واقعات اور کارہائے نمایاں نئی نسل تک ڈراموں کی صورت آگے بڑھے۔ برصغیر میں بمبئی میں تاریخی اور مذہبی ڈرامے پیش کیے گئے۔ داستانوں کے مافوق الفطرت کردار بھی سٹیج کیے گئے۔ مہابھارت، رامائن اور مذہبی شخصیات کو ڈراموں میں پیش کیا گیا۔ ان ڈراموں کی مقبولیت کی وجہ سے ڈرامانگاروں نے تاریخی ڈراموں پر مزید توجہ دی۔ ہندو ڈرامانگار بھی اس روش پر چل نکلے۔ اپنی مذہبی روایات اور ہندو دیومالائی قصے مقامی زبان میں سٹیج کئے گئے۔ کبیر داس (جو خدا پرست شاعر تھا) کی زندگی پر اور گوتم بدھ جیسے ڈرامے دکھائے گئے۔ اس کے بعد ایران کے بادشاہوں، بہادروں اور سالاروں کے قصے ڈراموں میں ڈھالے گئے۔ آصف مدراسی کا ''خسرو پرویز''، آغا حشر کاشمیری کا '' رستم و سہراب'' اور داؤد خان کا ''ضحاک'' ڈراما پیش کیا گیا۔ مذہبی رسومات اور شخصیات اور بہادروں کے ڈرامے دکھانے سے تاریخی ڈراموں کا رجحان پیدا ہوا۔ ابنِ خان کا ''معرکہ سومنات''، رونق بنارسی کا '' انصاف پسند شاعر غزنوی'' اور حافظ عبداللہ کے ڈرامے ''عدل سلطان محمود شاہ'' نے سٹیج سے شہرت پائی۔

بیسویں صدی میں تاریخی ڈرامے پیش کرنا ایک تحریک بن گئی۔ حکیم ولایت حسین کا ''صلاح الدین ایوبی''، جعفر حسین وحشت کا '' اسلامی شیر عرف مصطفی کمال پاشا''، محی الدین کا ''ہمایوں''، سید اصغر علی اصغر کا '' ترکی حور وغازی صلاح الدین''، عبدالوہاب خان کا ''خالد بن ولید''، تاج دین کا ''دہلی کا مظلوم بادشاہ''، آصف مدراسی کا '' چاند بی بی''، مہتاب جہاں کا ''شاہ جہاں''، عشرت رحمانی کا ''شاہجہاں''، سید عابد علی عابد کا ''چنگیز خان''، ''عمر خیام'' اور ''فردوسی'' احمد ندیم قاسمی کا ''دارا شکوہ''، اور فرزند اقبال ڈاکٹر جاوید اقبال کا '' رضیہ سلطان'' لکھے گئے۔ ڈراما '' رضیہ سلطان'' کے بارے میں ڈاکٹر جاوید اقبال اپنے تاثرات لکھتے ہیں:

''میں نے طالب علمی کے زمانے میں ڈرامے کے ذریعے اپنے معاشرے میں جدید مسلم تمدنی انقلاب لانے کا خواب دیکھا اور نظریات کا ڈراما کے تصور کے تحت تین ابواب پر مشتمل تاریخی ڈراما "رضیہ سلطان" تحریر کیا۔ میرے ریکارڈ کے مطابق تو ڈراما 1945 میں مکمل ہو گیا تھا لیکن میں مطمئن نہ تھا۔ اس لئے بار بار نئے زاویے سے لکھتا رہا حتی کہ موجودہ صورت میں پینسٹھ برس بعد پیش خدمت ہے۔ نظریاتی اعتبار سے میں نے رضیہ سلطان کو ایک اشارے کے طور پر استعمال کیا ہے اور اس کے ذریعے ایسے مسائل اٹھائے ہیں جن کا تعلق ہمارے آج کے زمانے کے مسلم معاشرے کے ساتھ ہے'' (7)

آل انڈیا ریڈیائی ڈراموں میں بھی تاریخی ڈرامے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ چودھری سلطان کے ڈرامے بکرماجیت، شہنشاہ ظہیر الدین بابر، ہمایوں، شہنشاہ اکبر، شہنشاہ جہانگیر، رستم و سہراب وغیرہ یک بابی تاریخی ڈرامے بڑی دلچسپی کا مظہر تھے۔ ریڈیو پاکستان پر حکیم احمد شجاع پاشا کے ڈرامے "فتح طرابلس"، امتیاز علی تاج کا "قرطبہ کا قاضی" اور "انار کلی"، عبدالحلیم شرر کا "شہید وفا"، محمد عمر کا ڈراما "جھانسی کی رانی"، ڈاکٹر محمد تاثیر کا "لیلائے وطن" قابل ذکر ہیں۔

ڈراما انار کلی کے کردار تاریخی ہیں لیکن تاریخی اعتبار سے یہ قصہ بے بنیاد ہے۔ امتیاز علی تاج دیباچے میں لکھتے ہیں:

''یہ داستان نہ معلوم کب اور کیوں کر ایجاد ہوئی اور لاہور کی جن تواریخ میں اس کا تذکرہ ہے، ان میں کہاں سے لی گئی ہے۔ خود داستان میں اندرونی شہادتوں کی بنا پر کئی ایسے نقائص ہیں جن کی وجہ سے یہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتی لیکن ان امور پر مورخ مجھ سے بہتر بحث کر سکتا ہے''۔(8)

اس کہانی کی تائید تاریخ کی کسی کتاب سے نہیں ہوتی۔ یہ لوگ تاریخی روایت کی حیثیت سے ضرور مشہور ہیں۔سید امتیاز علی تاج نے اس روایت کو انتہائی ہنر مندی سے ڈرامے کی شکل دی ہے۔اسے پڑھتے وقت قاری تاریخ کو ایک طرف رکھ دیتا ہے اور چاہتا ہے کہ کاش ایسا نہ ہوا ہوتا۔انار کلی اردو ڈراما نگاری میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ڈاکٹر اے بی اشرف کہتے ہیں:

”امتیاز صاحب اس ڈرامے کے علاوہ ایک لفظ بھی نہ لکھتے، تب بھی ان کی شہرت میں فرق نہ آتا۔“(9)

1967ء میں زاہدہ حنا نے تاریخی ڈراما سلطان محمود غزنوی ٹی وی پر پیش کیا۔احمد ندیم قاسمی شکست اور فتح، سلیم احمد کا 1857ء اور منو بھائی کا سلطان سا رنگ پاکستان ٹیلی وژن کے پہلے چند تاریخی ڈرامے تھے۔لاہور ٹیلی وژن سے 1969ء میں ابصار عبدالعلی نے ”سنگ میل“ کے نام سے تاریخی ڈراما سیریز پیش کی یہ پاکستان ٹیلی وژن کی پہلی تاریخی سیریز تھی، جس میں 17 تاریخی شخصیات شامل تھیں جو تقریباً دنیا کی دو ہزار سال پرانی تاریخ کا احاطہ کرتی ہیں۔بعد میں ”سنگ میل“ کی شخصیات کو ”کیسے کیسے لوگ“ میں مجموعے کی شکل دی گئی۔ یہ برصغیر کا پہلا مجموعہ ہے جو تمام تر بصری تمثیلوں پر مشتمل ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ نے ” سنگ میل“ کی بصری تمثیلوں“ کو ”کیسے کیسے لوگ“ کے نام سے شائع کرنے پر لکھا ہے۔ڈاکٹر سید عبداللہ کے بقول:

”میری نظر میں ابصار عبدالعلی کے ٹیلی پلے صنعت فائقہ ہونے کے علاوہ شعور یاتی تاریخ کا درجہ بھی رکھتے ہیں۔فوقیت ان کی یہ ہے کہ یہ تہذیب انسانی کے ارتقاء کی کہانی ہے جو 23 صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔یونانی کائنات شناسی سے لے کر عہد حاضر میں انسان کے قلب پیمائی تک انکشاف کا جو تاریخ ساز سنگ میل ابصار عبدالعلی کو نظر آیا اس نے اس کا پیکر تیار کیا اور دکھایا کہ انسان نے خود کو ڈھونڈنے اور اسرار کائنات کو منکشف کرنے کے لیے ہر معقول مسافت زمانی کے بعد ” کیسے کیسے لوگ“ معرفت کے طور پر سینہ پر جلوہ گر کیے جن کی شخصیت کی تجلی نے اپنے عہد میں بھی شمع روشن رکھی اور راستے کی اگلی منزلوں کو بھی منور کیا اور روشنی پھیلتی گئی۔اس لحاظ سے یہ کتاب کھوئے ہوؤں کی جستجو کی روداد ہے“۔(10)

”آخر شب“ کے مجموعی عنوان سے 1975ء میں لاہور ٹیلی وژن سے ڈرامے پیش کیے گئے۔ یہ ڈراما سیریز تاریخ عالم کی نامور ہستیوں، بادشاہوں، فوجی سرداروں، فلسفیوں، سائنسدانوں، علماء اور شعرا کے انتہائی عروج کے واقعات پر مشتمل ہے۔اس ڈرامے کے ڈائریکٹر اور پروڈیوسر محمد نثار حسین تھے جن کے تجربے اور فنکارانہ مہارت نے ان تاریخ ڈراموں کو شاہکار بنا دیا تھا۔”آخر شب“ کے اس معروف تاریخی ڈرامے میں جن فنکاروں نے حصہ لیا،ان کے بارے میں صفدر میر لکھتے ہیں:

”ابراہیم نفیس بلبن اور ملک کافور کے روپ میں، ظفر مسعود کیقباد اور خسرو خان کے روپ میں، ڈاکٹر انور ضیاالدین برنی کے روپ میں، مہناز رفیع مہر افروز کے روپ میں، محمود علی بہادر شاہ ظفر کے روپ میں، مستنصر حسین تارڑ سراج الدولہ اور جلال الدین خلجی کے روپ میں، سجاد کشور علاوالدین خلجی کے روپ میں، شجاعت ہاشمی محمد تغلق کے روپ میں اور لطیفی محمد تغلق سے جھگڑنے والے درویش کے روپ۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ سب بلاشبہ بڑے فنکار ہیں۔میں ان سب کا مشکور ہوں۔“(11)

اسی طرح کشمیر کی آزادی اور تاریخ پر شاہد محمود ندیم کا وصال اور محاصرہ رؤف خالد کا انگار وادی اور لاگ بختیار احمد کا مقدمہ کشمیر عاشر عظیم کا دھواں اصغر ندیم سید کا کشمیر روڈ اقبال حسن خان کا ایندھن اور یاترا بانو قدسیہ کا انکشاف اور انتظار حسین کا محبت خان پیش کیے گئے۔پاکستان ٹیلی وژن نے اپنے افتتاح کے دوسرے سال ہی 1965 میں پیشکش پاکستان (20 اقساط)اور عظمت پاکستان (22 اقساط) پیش کیں جن میں مختلف مصنفین نے لکھا اور آغا ناصر نے ہدایات دیں۔

نسیم حجازی کا ناول ” چٹان “،جس کی ڈرامائی تشکیل سلیم احمد نے کی۔ یہ تاریخی ڈراما 1980ء میں کراچی ٹیلی وژن مرکز نے پیش کیا۔ نسیم حجازی تاریخ اسلام کے عظیم ناول نگار تھے۔ اس ڈرامے کی ہدایات قاسم جلالی نے دیں۔نسیم حجازی کے دو ناول ٹی وی پر نشر ہوئے ” آخری چٹان“ اور ”شاہین “ڈراما“ شاہین“ کی ہدایات محسن علی کی تھیں اور ڈرامائی تشکیل سلیم احمد نے کی۔”آخری چٹان“ میں چنگیز خان کی فتوحات اور جلال الدین خوارزمی کی شکست کو موضوع بنایا گیا۔”شاہین“ میں اندلس میں بدر بن مغیرہ کی جدوجہد کو دکھایا گیا۔خان آصف کا تحریر کردہ ڈراما”لبیک“ ”محمد بن قاسم کی فتح سندھ کی کہانی ہے۔یہ سیریل تاریخ اسلام کے کمسن نوجوان کے کارناموں پر مبنی ہے۔فاطمہ ثریا بجیا کراچی ٹی وی مرکز کی معروف ڈراما نگار تھیں۔انھوں نے ”اوراق“،” سونی مہینوال “،”شمع“، ”آئینے“، ”آگہی“،”انا“،”عروسہ “،جیسے مشہور ٹی وی سیریل لکھے۔انھوں نے 1993ء میں تاریخی کھیل ” بابر “لکھا جس کی ڈرامائی تشکیل قاسم جلالی نے دی تھیں۔اس کے بعد خان آصف کا” ٹیپو سلطان“ پیش کیا گیا جس میں شیر میسور کو انگریزوں کے ساتھ برسر پیکار دکھایا گیا۔1991ء میں لاہور ٹیلی وژن مرکز نے” وفا کے پیکر “،تحریک آزادی کے ان وفا شعار بہادروں کی داستان نشر کی جنھوں نے وطن کی خاطر جان کی پرواہ نہیں کی۔ یہ

لاہور مرکز سے گولڈن جوبلی کے سلسلے میں پاکستان کے ان جانبازوں پر مشتمل سیریز تھی، جن کا تحریک کی تاریخ میں کوئی ذکر نہیں لیکن ان کی برطانوی سامراج سے جنگ اپنی جگہ حقیقت اور برطانوی راج کے ریکارڈ میں محفوظ ہے۔

''ان شخصیات میں احمد خان کھرل (ڈاکٹر طارق عزیز) غازی علم الدین شہید (اصغر ندیم سید)
نظام لوہار (امجد اسلام امجد) امام دین گولایا (مستنصر حسین تارڑ) ملنگی (اصغر ندیم سید) ابا کاٹھیا
(خالد طور) محرم لک (شفقت تنویر مرزا) راجہ ناہر (یونس جاوید) کوڑا خان قیصرانی
(اصغر ندیم سید) اور پر میشر سنگھ (احمد ندیم قاسمی) شامل تھیں۔'' (12)

پاکستانی افواج نے 1947ء سے آج تک مختلف محاذ پر دشمن کو ناکوں چنے چبوائے ہیں ۔پاکستان کی عسکری تاریخ اپنی شاندار اور تابناک روایات سے بھری پڑی ہے۔ مشکل وقت میں ہمارے تینوں مسلح افواج دشمن کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن کر ڈٹ گئی۔ ''نشان حیدر'' پی ٹی وی سے پیش ہونے والی پاکستانی فوج کے بہادروں اور جانبازوں کی زندگی پر مبنی ڈراما سیریز تھی۔ نشان حیدر کا اعلیٰ فوجی اعزاز اب تک دس جانبازوں کو مل چکا ہے لیکن چار جوان مرد ایسے ہیں جن کے کارناموں پر یہ سیریز دکھائی جا چکی ہے۔ان میں کیپٹن سرور شہید ،میجر محمد طفیل شہید، میجر عزیز بھٹی شہید اور پائلٹ آفیسر راشد منہاس شہید شامل ہیں۔

دنیا کی تمام قومیں اپنے عروج وزوال کو تاریخ کی نظر سے دیکھتی ہیں اور اس تاریخ کو اپنا ورثہ سمجھ کر نہ صرف محفوظ رکھتی ہیں بلکہ مختلف رائج الوقت ذرائع ابلاغ سے اسے قوم کے افراد تک پہنچانے کا انتظام وانصرام بھی کرتی ہیں۔

پاکستان ٹیلی ویژن نے اپنے اسلاف کے کارناموں اور قربانیوں کو نئی نسل تک پہنچانے کا بیڑا اٹھایا ہوا ہے۔ ٹیلی ویژن کے آغاز سے تک بے شمار بہترین تاریخی ڈرامے پیش کیے گئے۔ یہ پی ٹی وی کا سنہری دور تھا لیکن افسوس کہ مادیت پرستی نے ہمیں اپنی تاریخ سے بہت دور کر دیا۔ ترقی کی تیز رفتار دوڑ میں تاریخ کو بہت پیچھے چھوڑتے جا رہے ہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ نہ صرف تاریخ لکھنے والے معدوم ہوتے جا رہے ہیں بلکہ تاریخ کے قاری بھی ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔

حوالہ جات

1۔مولوی نور الحسن نئیر، نور اللغات جلد اول، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن 2006ء، 1998ء

2۔ قدرت اللہ فاطمی، ثقافت کے جغرافیائی عوامل کی اہمیت، مشمولہ پاکستان ثقافت، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 1999ء، ص 78-79

3۔احمد ندیم قاسمی، ڈراما گناہ نہیں، مشمولہ، فنون، ڈراما نمبر، شمارہ 4۔5، جلد ٥، فروری 1976ء، ص 6

4۔شعیب خالق، ٹی وی ڈراما کیسے لکھا جاتا ہے، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 2016ء، ص 18

5۔ڈاکٹر انور سجاد، تھیٹر کی تلاش، مشمولہ، پاکستانی ادب 1994ء حصہ نثر، مرتبین: ڈاکٹر سلیم اختر، ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد، اکادمی ادبیات پاکستان، 1994ء، ص 58-59

6۔عبدالسلام خورشید، پاکستانی ثقافت، مشمولہ پاکستانی ادب ، مرتبہ: ڈاکٹر رشید امجد، اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، 1999ء، ص 12

7۔ڈاکٹر جاوید اقبال، رضیہ سلطان ڈراما، پیش لفظ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2010ء، ص 5

8۔امتیاز علی تاج، انار کلی، دیباچہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز 2012ء، ص 5

9۔ ڈاکٹر اے۔بی۔اشرف، اردو سٹیج ڈراما، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، 1986ء، ص 216

10۔ڈاکٹر سید عبداللہ، ابصار عبدالعلی کے ٹیلی پلے شعوریاتی تاریخ کا درجہ رکھتے ہیں، مشمولہ، کیسے کیسے لوگ، مرتبہ: ابصار عبدالعلی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2012ء، ص 9

11۔پاکستانی لاہور، ٹیلی وژن سٹاک لسٹ، 1965ء تا 2003ء